SHNAKHAT E(ISSN) 2709-7641, P(ISSN) 2709-7633
Vol:3, ISSUE:3 (2024) PAGE NO: 373-381
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

Cite us here: Jawaria Zafar, Kahkshan Ali, & Nida Yusuf. (2024). A Sociological Study of Shaukat Siddiqui's Fictional Collection 'Kamiyagar': شوکت صدیقی کے افسانوی مجموعہ "کیمیا گر" کا سماجی مطالعہ. *Shnakhat*, 3(3), 373-381. Retrieved from https://shnakhat.com/index.php/shnakhat/article/view/360

" A Sociological Study of Shaukat Siddiqui's Fictional Collection 'Kamiyagar'

شوکت صدیقی کے افسانوی مجموعہ "کیمیا گر" کا سماجی مطالعہ

Jawaria Zafar[1] Kahkshan Ali[2] Nida Yusuf[3]

Head of Urdu Department, Kohsar University Murree at-
Jawariazafar097@gmail.com
PhD Urdu Research Scholar, The Women's University Multan.
PhD Urdu Research Scholar, The Women's University Multan.

Abstract

The name of Shaukat Siddiqui is important in Urdu fiction.Through his writings, he painstakingly described all the virtues and defects found in the society. Shaukat Siddiqui is one of the creators who were eyewitness of the conditions of the establishment of Pakistan. The critical or creative consciousness of any writer or creator is associated with his era. The political, economic, social, religious and especially social conditions in this period affect the mind of every conscious person. When Shaukat Siddiqui came to Pakistan, he did not only look at riots or migration etc. In his writings, but each of his stories also indicates many themes. All the creations of Shaukat Siddiqui have made an attempt to present social attitudes very boldly. In this paper, an attempt will be made to study his fictional collection "KimiyaGar" in a social context. Because when we study the bitter social attitudes presented by Shaukat Siddiqui, we realize that the literature has been the interpreter of his attitudes and his confusion .These are not only the words from the pen of Shaukat Siddiqui, but every sensitive writer who feels the social bitterness and social problems has done Jihad through his pen.

Keywords: Society, Political, Economic, Religious, Critical.

کسی بھی ادیب کا تنقیدی یا تخلیقی شعور اس کے عہد کے مطابق ہوتا ہے شوکت صدیقی کا شمار اردو ادب کے ان تخلیق کاروں میں ہوتا ہے جنہوں نے بیسویں صدی کے اس معاشرے میں آنکھ کھولی جہاں نوآبادیاتی نظام قائم تھااور پھر وہ پاکستان بننے کی جدوجہد کے بھی چشم دید گواہ تھے۔اس عہد میں موجود معاشرتی، سیاسی، معاشی، مذہبی اور بالخصوص سماجی حالات نے ہر ذی شعور انسان کو متاثر کیااور پھر یہ اثرات ہر ادیب کی تخلیقات میں واضح نظر آتے ہیں۔جب ہم شوکت صدیقی کی تخلیقات کا مطالعہ کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا تخلیقی شعور اس دور کے سماجی رویوں کی مرہون منت تھا۔وہ سماجی رویے جو انہوں نے ۱۹۵۰ میں پاکستان آنے کے بعد دیکھے۔وہ ۱۹۴۷ سے پہلے جنگ آزادی کے لیے کی جانے والی کوششوں کے بھی چشم دید گواہ تھے اور ہجرت کے بعد جب انہوں نے ملکی حالات دیکھے تو ان حالات و واقعات نے ان کے شعور پر گہرے اثرات مرتب کیے۔جو ہمیں ان کی تحریروں میں صاف نظر آتے ہیں۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ کسی بھی ادیب پر اس کے معاشرے کے اثرات سب سے زیادہ مرتب ہوتے ہیں اور ان حالات کو وہ اپنی تخلیق کا حصہ بناتا ہے۔ہم نے صرف برصغیر کو دو ملکوں ہندوستان اور پاکستان میں تقسیم نہیں کیا تھا بلکہ آزاد ہونے کے بعد بھی ہم کئی گروہوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔اور اسی تقسیم نے معاشرے میں ان اذہان کو متاثر کیا جو یہ سمجھتے تھے کہ سن ۱۹۴۷ کے بعد ہم ہر قسم کی آزادی حاصل کر لیں گے۔شوکت صدیقی کی مادری زبان اردو تھی لیکن انہوں نے نہایت سلیقے سے مختلف زبانوں کو اپنی تصانیف میں جگہ دی،انہوں نے کالم نگاری، ناول نگاری اور افسانہ نگاری کے میدانوں میں طبع آزمائی کی۔گو کہ انہیں ناول نگاری نے عروج عطا کیا،ان کے ناول ''خدا کی بستی'' اور ''جانگلوس''ایسے شاندار ناول ہیں جنہیں پڑھنے کے بعد قاری داد دیئے بغیر رہ نہیں سکتا کیونکہ انہوں نے ان ناولوں میں ان تمام حالات کی عکاسی کرنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے جو پاکستان کے قیام کے بعد عوام کو پیش آئے۔لیکن اگر ہم ان کے افسانوں کا باریک بینی سے مطالعہ کرے تو احساس ہوتا ہے کہ مصنف نے ایسے موضوعات پر لکھنے کی کوشش کی جو مابعد نوآبادیاتی حالات کی تصویر کشی کرتے ہیں۔شوکت صدیقی کے افسانوی مجموعوں میں تیسرا آدمی، اندھیرا اور اندھیرا، راتوں کا شہر اور کیمیا گر وغیرہ شامل ہیں۔اس مقالہ میں ہم شوکت صدیقی کے افسانوی مجموعہ ''کیمیا گر'' کا سماجی مطالعہ کرنے کی کوشش کریں گے اور یہ بھی جاننے کی کوشش کی جائے گی کیا قیام پاکستان کے بعد منظر عام پر آنے والا افسانوی مجموعہ '' کیمیا گر'' اکیسویں صدی کے حالات و واقعات کی منظر کشی کرتا ہے؟ سماج کا لفظ سنسکرت زبان سے نکلا ہے۔سم کے معنی ہوتے ہیں'' اکٹھا یا پھر ایک ساتھ'' اور آج کے معنی ہوتے ہیں ''رہنا''۔اس طرح سے سماج کا لغوی معنی بنتا ہے '' ایک ساتھ رہنا'' کے ہیں۔

فرہنگ آصفیہ میں سماج کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

> ''سماج سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی سبھا، انجمن، مجلس، محفل، گروہ، جتھا، ٹولی کے ہیں (۱)''

لغت کی اس تعریف کے بعد سماج کے معنی سادہ لفظوں میں کچھ یوں بیان کیے جا سکتے ہیں: سماج سے مراد طرز بود و باش، رسم و رواج، علوم و فنون، اخلاق وعادات، اوہام و عقائد، فلسفہ حیات کا ایک ایسا نظام ہے جس کے تحت انسانوں کے گروہ اپنی زندگی گزارتے ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد اردو افسانہ نگاری کو عروج حاصل ہوا اور اس کے موضوعات میں وسعت پیدا ہوئی۔ اردو میں افسانہ نگاری کی روایت کا باقاعدہ آغاز بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں ہوا تھا۔ یہ صنف ادب مغرب سے ہمارے ہاں آئی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں ارتقا پیدا ہوا۔ اس امر کی وضاحت ہم ان الفاظ میں کر سکتے ہیں:

> ''ادب معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ بھی نہیں بلکہ ایک خلاق ذہن کا اظہار ذات ہے۔ تخلیق کا عمل انفرادی ہے اجتماعی نہیں۔ کسی خارجی عمل کی نشر واشاعت کا ذمہ دار نہیں ہے لیکن ایک اچھا ادب پورے عہد اور معاشرے کو محیط ہوتا ہے اور ایک خوب تر معاشرے کو وجود میں لانے کی سر گرمی کا نام ضرور ہے(۲)''

شوکت صدیقی زمانے کے نشیب و فراز سے بے نیاز ہو کر اپنے مؤقف پر ڈٹے رہے انہوں نے غربت، استحصال اور جرائم کی دنیا میں موجود کرداروں کو میٹھے خواب نہیں دکھائے بلکہ اپنے تنقیدی شعور کی مدد سے عہد بہ عہد ہونے والی سماجی و سیاسی تبدیلیوں کو کرداروں کی مدد سے واضح کیا ہے کیونکہ ہر تخلیق کار کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ ان تمام حالات کو قلم بند کرنے کی کوشش کرے جو وہ دیکھتا ہے تاکہ معاشرے کا اصل چہرہ واضح ہو کر سامنے آئے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ "ادیب اور دانشور کسی بھی معاشرے کا حساس طبقہ ہوتے ہیں اور اپنے فن پاروں کے ذریعے ایک مثالی معاشرے کے قیام کی کوشش میں سر گرم عمل رہتے ہیں۔ کوئی بھی ادیب یا دانشور اپنے مخصوص آدرشوں سے اغماض نہیں برت سکتا اور نہ ہی یہ حقیقت ادیبوں اور دانشوروں کے سوا کوئی اور سمجھ سکتا ہے کہ کسی بھی معاشرے کی ترقی اور بقا کا انحصار اس کی اپنی تہذیبی جڑوں سے وابستگی کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ ادیب معاشرے اور اس کے مستقبل کے درمیان پل کا کام کرتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں معاشرے کے اجتماعی خواب صورت پذیر ہوتے ہیں اور اس کا قلم ان کی تعبیریں کشید کرتا ہے"(۳) شوکت صدیقی نے بھی اپنے قلم کے ذریعے معاشرے کے استحصالی رویوں کو بیان کرنے کی کوشش کی۔

شوکت صدیقی کا افسانوی مجموعہ کیمیا گر ۱۹۹۷ میں شائع ہوا۔ شوکت صدیقی کے اس افسانوی مجموعے ''کیمیا گر'' میں کل پانچ افسانے موجود ہیں جن میں افسانہ ڈھپالی، خفیہ ہاتھ، کیمیا گر، خداداد کالونی اور میموریل شامل ہیں۔ ان کے اس افسانوی مجموعے میں شامل پہلا افسانہ '' ڈھپالی'' ہے افسانہ میں استاد شیدی ایک ایسا کردار ہے جس کے ارد گرد ساری کہانی گھومتی ہے۔ یہی کہانی ہمیں سماجی ماحول سے قریب تر کرتی ہے اور یہی کردار سماجی رویوں کی داستان سناتا ہے۔

> ''اجی ہندوستان کی باتیں ہندوستان میں رہ گئیں۔ ایسے ہی بڑے نامی گرامی استادوں کی دیکھا دیکھی میرے سر میں بھی پھوڑ نکلا۔ اتنی اونچائی تک پہنچنے کی کوشش کی کہ دھڑام سے منہ کے بل گرا''۔ وہ اپنی بات کہتے کہتے مسکرائے۔'' میاں! سچ پوچھیئے تو اپنی اوقات بھول گیا تھا۔ میں ڈھپالی تھا، ڈھپالی ہی رہا ۔ پہلے ساز اور سر کے لیے طبلوں پر کھال منڈتا تھا۔ اب پیروں کے لیے لکڑی کے فرموں پر چمڑا منڈھتا ہوں۔ بات تو ایک ہی ہے نا(۴)''

دراصل شوکت صدیقی ایک ایسے افسانہ نگار کے طور پر سامنے آئے جو حال میں رہتے ہوئے مستقبل کے امکانات کو دریافت کرتا ہے۔ شوکت صدیقی ہمارے معاشرے کا بے رحم مفسر اور ناقد ہے اور ہر قیادت کے تضادات کو نمایاں کرتا ہے۔ شوکت صدیقی کا شمار ان تخلیق کاروں میں ہوتا ہے جنہوں نے معاشرے میں پروان چڑھنے والے دوغلے پن کو واضح انداز میں بیان کیا ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر ظفر سعید لکھتے ہیں:

> ''آزادی سے قبل ہی ہندوستان کی سماجی زندگی میں گہما گہمی بڑھ گئی تھی اور زمانے کی تیز رفتار تبدیلیوں نے کہیں قدم جمنے نہیں دیئے تھے۔ معاشرے کی بنیادیں بدلنے لگی تھیں اور سیاست ہماری زندگی کا لازمی جزو بنتی جارہی تھی۔ اقتصادی میدان میں خود کفالت کا احساس بڑھا تھا اور نئے نئے اقتصادی مراکز جنم لینے لگے تھے (۵)''

اس افسانے کا اختتام شوکت صدیقی نے نہایت اچھا کیا ہے اور سماج کے تمام رویے بیان کر دیئے ہیں جو کسی بھی انسان کی ذہنی صلاحیتوں کو شدید نقصان پہنچاتے ہیں۔

شوکت صدیقی کے افسانوی مجموعے کیمیا گر میں شامل دوسرا افسانہ '' خفیہ ہاتھ'' ہے۔ جس میں انہوں نے نہایت محنت سے ایک ایسی کہانی سامنے لانے کی کوشش کی کہ جس میں خفیہ ہاتھ ایک ایسے استعارے کے طور پر بیان ہوا جس میں کہانی صرف کسی دو چار ہاتھوں کے ارد گرد نہیں گردش کر رہی بلکہ شوکت صدیقی نے پاکستان کے تمام اداروں کا ذکر کرنے کے بعد وہاں پر موجود تمام برائیاں بیان کی ہیں۔ طبقاتی معاشرے کے ان پہلوؤں کو بھی پیش کیا ہے جو اپنی زندگی میں رنگ بھرنے کے لیے ہر جائز و ناجائز ذرائع استعمال کرتے ہیں۔ اور اکیسویں صدی کے تمام سماجی اور سیاسی حالات و واقعات اس افسانے میں نظر آتے ہیں۔

> ''مثلاً یہ کہ فی ووٹر کیا ریٹ مقرر کیا جائے۔ ان کھانے پینے اور نشے پانی کا کس طرح بندوبست کیا جائے۔ مخالف امیدواروں کو کس طرح جھوٹے مقدموں میں پھنسایا جائے۔ ان کے کارکنوں کے حوصلے پست کرنے کے لئے مسلح حملے کس کس موقع پر کئے جائیں۔ ہو سکے تو ایک آدھ قتل بھی کرا دیا جائے۔ مطلب یہ کہ ایسی دہشت گردی پھیلا دی جائے کہ دوسرے امیدواروں کے پولنگ ایجنٹ تک خوف زدہ ہو جائیں ۔آپ کے بوگس ووٹ کو چیلنج کرنے کی ہمت نہ کر سکیں''۔ اس نے قدرے توقف کہا'' اپنے غنڈوں اور کارندوں کی ٹریننگ تو آپ نے ابھی سے شروع کرا دی ہو گی (۶)

شوکت صدیقی کے افسانوی مجموعہ '' کیمیا گر'' میں شامل تیسرے افسانے کا نام ''کیمیا گر'' ہے۔ اس افسانے کی کہانی نہایت عمدہ اور محنت سے بنائی گئی ہے جسے پڑھنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ ہم سب ہی کسی نا کسی کیمیا گر کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ شوکت صدیقی نے ایک ایسی صورت حال دکھائی جس میں ہمیں نظر آتا ہے کہ یہ جو سماج میں امیر اور غریب کے نام سے دو طبقے پائے جاتے ہیں اور اسی تقسیم نے ملک کو نقصان پہنچایا۔

''سگریٹ تو وہ ایک عرصے سے پی رہا تھا مگر چھپ کر پیتا تھا۔ مجھے دیکھتا تو جھٹ سگریٹ مٹھی میں چھپا لیتا ۔ فوراً کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ادھر ادھر کھسک جاتا تھا۔ میری نظروں سے او جھل ہو جاتا تھا لیکن اس وقت بغیر کسی جھجک کے سگریٹ پیتا رہا۔ میں تڑپ کر رہ گیا۔ جی چاہا کہ اس سے کہوں میں کسی بختاور کی بھڑوائی کمائی نہیں کھاتا کہ سوٹ بوٹ پہن کر اکڑا اکڑا پھروں۔ حق حلال کی کمائی میں تو پرانا دھرانا سوئٹر ہی پہن کر جاڑا کاٹا جا سکتا ہے''۔۔۔ میں منہ پھلائے بیٹھا رہا۔ اس نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ پرس نکالا۔ اسے کھولا اور ہزار روپے نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔'' بھائی جان لیجئے۔ یہ روپے رکھ لیجئے''۔۔۔ اس دفعہ میں نے جھنجھلا کر اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ تیکھے لہجے میں بولا۔'' مجھے روپے ووپے کی ضرورت نہیں۔ اپنے ہی پاس رکھو۔ ان روپوں کو لے کر مجھے اپنی عاقبت خراب نہیں کرنا(۷)''

پیسہ اس دنیا کی ایک ایسی بنیادی ضرروت ہے جس پر اس کہانی کو بنا گیا ہے۔ کہانی کے آغاز سے لے کر آخر تک ہم نے ایک ایسے سماجی رویے کو پرکھا جو آج بھی ہمارے معاشرے کا ایک اہم حصہ ہے۔ شوکت صدیقی نے اپنے اس افسانے کی مدد سے معاشرے کے دوغلے رویوں کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے ۔اسی بات کی وضاحت ڈاکٹر شکیلہ خاتون الفاظ میں کرتی ہیں :

''سماج میں طبقاتی تقسیم کی اہم بنیاد معاشی ہے۔ سماج میں ایک ساتھ زندگی گزار رہے لوگوں میں سے کچھ کے مفاد ایک جیسے ہوتے ہیں جو ان کو ایک گروہ کے روپ میں منظم کرتے ہیں۔ ان کی طبقاتی حیثیت ذرائع پیداوار کے ساتھ ان کے تعلقات پر مبنی ہوتی ہے؛ مثلاً سماج میں ایک طبقے کی ذرائع پیداوار پر ذاتی ملکیت ہوتی ہے، جبکہ دوسرا کسی بھی قسم کے ذرائع سے پوری طرح محروم ہوتا ہے۔ ذرائع پیداوار کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کی اسی تفریق کے سبب سماج میں طبقاتی تضاد پیدا ہوتا ہے اور یہی تضاد معاشرے میں ایک مخصوص طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد کی حیثیت، سماجی مرتبہ، ان کی قدر و منزلت یا وقعت کا تعین کرنے میں ممد ہوتا ہے(۸)''

شوکت صدیقی کے افسانوی مجموعہ '' کیمیا گر'' میں شامل چوتھا افسانہ '' خدا داد کالونی'' ہے (یہ افسانہ شوکت صدیقی کے افسانوی مجموعے راتوں کا شہر میں بھی شامل ہے)۔ یہ افسانہ جرائم سے متعلق ہے اس افسانے کے کرداروں سے ملاقات بطور جرائم پیشہ افراد کے ہوتی ہے جن کا اس معاشرے میں کوئی حال پوچھنے والا نہیں ہوتا اور نہ ہی سماج انہیں سر ڈھانپنے کی کوئی جگہ دیتا ہے۔ اس افسانے میں یار محمد ٹینی، بالم اور غازی ایسے ہی کردار ہیں۔ شوکت صدیقی نے ٹینی کے کردار کو نہایت محنت سے بنایا ہے۔ ڈاکٹر فردوس انور قاضی ٹینی کے کردار کو اس طرح سے بیان کرتی ہیں:

''ٹینی کا کردار جس خوبی سے تعبیر کیا گیا ہے وہ شوکت صدیقی کی فنکارانہ مہارت کا یقین دلاتا ہے۔ ٹینی کی طبع سادگی بڑی توانائی کی حامل ہے۔ وہ زندگی کی علامت اور خوشیوں کی بشارت ہے۔ ٹینی غیر صحت مند معاشرے میں صحت مندی کی علامت بن جاتا ہے(۹)''

یار محمد ٹینی کے کردار میں مصنف نے ستم ظریفی دکھائی جو اس سماج پر ایک طنز ہے۔ سید وقار عظیم شوکت صدیقی کے بنائے گئے انہیں کرداروں کے متعلق کہتے ہیں کہ:

''شوکت صدیقی کی کہانیاں زندگی کی ستم ظریفی کی کہانیاں ہیں (۱۰)''

یہ بظاہر ایک سادہ سی کہانی ہے لیکن مصنف نے نہایت محنت سے ان مفلس اور مفلوک الحال لوگوں کے کرداروں کو سماج کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سماج نے ہی اصل میں تو ان لوگوں کو مجرم بنایا تھا۔ جہاں روٹی روزی ایک بہت بڑا مسئلہ ہو وہاں مجرم ہی پیدا ہوتے ہیں اور شوکت صدیقی نے پاکستان بننے کے بعد ایسی ہی صورت حال دیکھی تھی جس میں لوگ روٹی کے دو چار لقموں کے پیچھے ایک دوسرے کو مرنے مارنے پر تل آئے تھے۔ سماج میں معاشی تقسیم بہتر نہ ہونے کی صورت میں ہی لوگوں کو ضروری وسائل بھی میسر نہیں آئے، ایک اچھی صورت حال تب ہی قائم ہو سکتی ہے جب معاشی تقسیم بہتر ہو۔ ٹینی کا کردار مصنف نے نہایت محنت سے بنایا ہے جس کی مدد سے سماج میں ناانصافی کو بھی بیان کیا ہے اور سماج ہی میں پائے جانے والے رویوں کو بھی سامنے لانے کی ایک کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد نے اپنی کتاب '' اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ '' میں شوکت صدیقی کو'' شوکت صدیقی: اجتماعی زندگی کا ہم درد مفسر'' کا نام دیا ہے۔ اور وہ اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

''زمانے کے نشیب و فراز اور سرکاری فتویٰ فروشوں سے بے نیاز ہو کر اردو کے جو افسانہ نگار ترقی پسندانہ موقف پر ڈٹے رہے ان میں شوکت صدیقی سرفہرست ہیں انہوں نے ہمیشہ غربت، استحصال، جہالت اور محلاتی سازش کے خلاف قلم اٹھایا، مگر کرشن چندر کی طرح وہ میٹھے خواب دیکھتا اور دکھاتا نہیں بلکہ اس کا تلخ رویہ بسا اوقات کلبیت کے مترادف ہو جاتا ہے، وہ ہماری اجتماعی زندگی کا بے رحم مفسر، مبصر اور ناقد ہے (۱۱)''

شوکت صدیقی کے افسانوی مجموعہ ''کیمیا گر'' میں شامل پانچواں افسانہ ''میموریل'' ہے۔ اس افسانے کے موضوعات میں دراصل چوری کا مال، انگریزی زبان سے متاثر ہونا، سرکاری عمارتوں کا ناجائز قبضہ، جرائم کی دنیا میں اداروں کا کردار وغیرہ شامل ہیں۔ کہانی میں ایک آدمی کے تین بچے ہوتے ہیں ٹوٹو، فی فی اور کوکب، ان تینوں کی مدد سے کہانی کے کئی تاثرات کو سامنے لایا گیا ہے۔ یہ تاثرات اس کہانی میں سماج کے کئی رویوں کو سامنے لاتے ہیں۔ ''پرنسپل کے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔'' میرا خیال ہے غالباً آپ نے دروازے کے باہر لگا ہوا بورڈ نہیں دیکھا''۔ مجھے یاد آیا کہ دروازے پر ایک بورڈ آویزاں تھا۔ جس پر یہ عبارت درج تھی۔'' تمام کلاسوں میں داخلہ بند ہو چکا ہے'' لیکن پرنسپل سے ملاقات کرنے سے قبل میں نے اس بورڈ کی اہمیت

جس طرح سے نظرانداز کی تھی۔اسی طرح اس کی بات سن کر بھی کی۔ مسکرایااور لہجہ میں اعتماد پیدا کرتے ہوئے گویاہوا۔'' بورڈ تو میں نے دیکھا ہے لیکن گرین وڈاسکول میں۔۔۔۔''اس نے میری پوری بات بھی نہ سنی، ترش روی سے بولا۔'' یہ بورڈ دروازے پر صرف اس لیے لگایا گیاہے تاکہ لوگ اپنا وقت برباد کریں نہ میرا''۔(۱۲)اسی افسانے کا دوسرا اقتباس دراصل اصل کہانی کی روداد سناتا ہے:''مجھے پرنسپل کے روبرو جاتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس ہورہی تھی مگر محمد نواز بضد تھے کہ میں بھی اندر چلوں۔ چپراسی نے چٹ اٹھائی۔انھوں نے اس کا ہاتھ ایک طرف جھٹک دیا۔دروازہ کھولااور اندر داخل ہوگئے۔میں بھی ان کے پیچھے پیچھے چلا۔ ٹوٹو بھی ہمراہ تھا۔صوبیدار صاحب نے کھٹاک سے جوتوں کی دونوں ایڑیاں جوڑیں۔

ایک ہاتھ اٹھا کر خالص فوجی انداز سے سلیوٹ مارا۔پرنسپل نے کھڑے ہوکر ہاتھ ملایا۔کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ مگر صوبیدار صاحب بدستور کھڑے رہے۔انہوں نے پلٹ کر ٹوٹو کی جانب دیکھا۔اس کا ہاتھ پکڑ کر سامنے کیا۔بلا کسی تمہید کے مدعا بیان کیا۔'' صاحب،اس بچے کو آپ کی سپردگی میں دینے لایاہوں''پرنسپل مسکرا کر بولا'' ول،ول،صوبیدار، تم گھبراؤ نہیں۔ہم تمہارے بچے کے لیے ضرور کچھ کریں گے''۔' 'صاحب اسے تو آج ہی داخلہ ملنا چاہئیے اور ابھی ملنا چاہئیے''۔صوبیدار صاحب اڑ گئے۔'' ول صوبیدار، تمہارے بچے کو ضرور ایڈمیشن ملے گا''(۱۳) یہ ہمارے پورے سماج کی ایک کہانی ہے۔ جیسے کہ اسی افسانے میں ایک ایسا کردار ہے جو منتظم اعلیٰ ہے جو اسکول کو بھی بزنس کی طرح چلارہاہے اور اب اس کے ساتھ بیٹے کے پہ اکیڈمی بنا کے اس سے بھی پیسہ ہی کمارہاہے جبکہ اس کا بیٹا ایک نہایت بگڑا ہوا شخص ہے دوسری طرف ایک ملازم پیشہ انسان ہے جو نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی اولاد کو یتیم خانے میں جمع کروانے پر مجبور ہے۔یہ دراصل وہ کردار ہیں جو نہایت محنت سے تخلیق کی گئے اور سماجی رویوں کو پیش کرنے کی کامیاب کوشش کرتے ہیں۔ان سماجی رویوں کو ترویج دینے میں مقتدر طبقے نے اہم کردار ادا کیا۔اس بات کی وضاحت ڈاکٹر انوار احمد ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''بڑی طاقتوں کی سرپرستی میں ایک ایسا طبقہ پروان چڑھا جس کے پاس دولت ہی نہیں وافر سیاسی قوت بھی تھی۔ چنانچہ قیام پاکستان کے بعد بھی افسانے نے تلخی اور تلملاہٹ کا لہجہ تبدیل نہ کیا بلکہ افسردگی کا اضافہ ہوگیا۔اردو افسانہ میں فسادات کے ساتھ ساتھ 'ہجرت' کا موضوع بھی ایک آسیب کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ یہ محض ماضی سے متعلق ایک جذباتی رویے کا عکس نہ رہااور نہ ہی یہ بچھڑنے والے تہواروں، گلی کوچوں، باغوں پرندوں اور لوگوں کی کشش میں اسیر رہنے کا ایک کرشمہ رہا، بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ ایک پیچیدہ نفسیاتی رجحان بنتا گیااور یہ بھی کہ نئے ماحول سے تہذیبی و ثقافتی موانست پیدا نہ ہو سکنے کے نفسیاتی اسباب بھی ہوں گے۔۔۔۔بدقسمتی سے ہر حکمران پاکستان کو اس وعدے سے دور کرتا گیا کہ آزاد لوگوں کی شاداب سرزمین ہوگی، جہاں اکثریتی عقیدے کے مطابق ہر طرح کے استحصال سے آزاد معاشرہ اور منصفانہ و عادلانہ سماجی نظام قائم ہوگا۔ وسائل دولت پر کسی ایک فرد یا طبقے کا اجارہ نہیں ہوگا۔۔۔مگر ہوا یہ کہ پاکستان ابھی تک غیر یقینی صورت حال سے باہر نہیں آسکا (۱۴)''

شوکت صدیقی نے اپنے افسانوں میں سماجی رویوں کے عوامل بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ شوکت صدیقی اس اعتبار سے انفرادیت کے حامل ہیں کہ انہوں نے نہایت محنت سے اپنے افسانوں کو حقیقت سے قریب کیا ہے۔ان کا ہر افسانہ پڑھتے ہوئے یوں لگتا ہے جیسے اکیسویں صدی کی صورت حال ہی بیان کی گئی ہے۔ شوکت صدیقی نے سماجی شعور کی مدد سے مکمل طور پر ایسے ایسے واقعات پیش کیے جو انسانی نقطہ نظر کی مکمل کہانی پیش کرتے ہیں انہوں نے اسی انسانی زندگی میں کائنات میں پائے جانے والے تمام سماجی رویوں کو بھی اپنے سامنے رکھا اور حقیقت کی شکل دیتے ہوئے اسے بیان کرنے کی کوشش کی، شوکت صدیقی نے اپنے افسانوی مجموعہ ''کیمیا گر'' میں انہیں حقیقتوں کو بیان کرنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے۔

:حوالہ جات

احمد دہلوی، سید، فرہنگ آصفیہ، جلد سوم(نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۷)، ص ۱۷۔

طاہرہ اقبال، پاکستانی اردو افسانہ سیاسی و تاریخی تناظر میں (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۵)، ص ۱۸

شاہدہ رسول، ڈاکٹر، امجد اسلام امجد کے ڈراموں کا سماجی اور سیاسی مطالعہ وارث سے بندگی تک (جہلم: بک کارنر، ۲۰۲۱) ، ص ۱۲۱۔

شوکت صدیقی، ''ڈھپالی''، مشمولہ، کیمیا گر (کراچی: رکتاب پبلی کیشنز، ۱۹۸۴)، ص ۱۶۔

ظفر سعید، ڈاکٹر، تقسیم ہند اور اردو افسانہ(بہار: کراؤن آفیسٹ، ۲۰۰۰)، ص ۱۱۵۔

شوکت صدیقی '' خفیہ ہاتھ''، مشمولہ، کیمیا گر، ص ۴۸۔

شوکت صدیقی، ''کیمیا گر''، مشمولہ، کیمیا گر، ص ۷۲

شکیلہ خاتون، ڈاکٹر، اردو ناول میں طبقاتی کشمکش (لاہور: بک ٹاک، ۲۰۱۸)، ص ۲۵۔

فردوس انور قاضی، ڈاکٹر، اردو افسانہ نگاری کے رجحانات (لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۰)، ص ۵۰۰۔

وقار عظیم، سید، داستان سے افسانے تک (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، سن ندارد)، ص ۳۶۵۔

۔انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ (ملتان: کتاب نگر، ۲۰۱۷)، ص ۳۰۔

شوکت صدیقی، ''میموریل''، مشمولہ، کیمیا گر، ص ۱۶۷، ۱۶۶۔

ایضا، ص ۱۹۱۔

انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، ص ۳۰۔